قرآنی تعلیمات کی روسے پیمانہ کثرت و قِلّت ایک تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of the standards of majority and minority in Quranic teachings

ڈاکٹر مقبول حسن[*]

Abstract:

In life, the value given to the opinion of the majority in each aspect and keeping the literate people equal to illiterate is totally wrong. In the contemporary era, this idea is being represented by western democracy. Considering this concept, we have reviewed this idea in the light of teachings of the Holy Quran, and it is concluded that the Holy Quran and the practices of its first instructor; the Prophet (peace be upon him) of Islam does not support this philosophy. It is a purely human-made idea. On the other hand, the divine source of guidance- Islam guides us to give value and to take into consideration the merit, real abilities and capabilities of the human being rather than their mere count. It is concluded in the paper that all matters should be judged based on merit as well as issues should be decided with mutual consultation of the men of intellect, rather than on a majority and minority basis. Merely number game is not the logical way to decide issues. It is the only and the right way, otherwise, ultimate personal and communal failure will be our destiny.

Keywords: majority, minority, Quran, Sunnah, democracy, Islam, Shura

تعارف:

دنیا میں ’اقلیت‘ کے بجائے ’اکثریت‘ کی رائے کو حق کا معیار قرار دیا جارہا ہے۔ ہر کس و ناکس کی رائے کو مساوی حیثیت دی جارہی ہے۔ ایک صاحبِ علم اور جاہل کی رائے کو یکساں درجہ دیا جاتا ہے۔ جو بات اکثریت کے ہاں قابلِ قبول ہو وہی صحیح اور درست ہوتی ہے اور جس بات کا دعوے دار اکیلا یا اقلیت میں ہو وہ غلط قرار دی جاتی ہے۔ باالفاظِ دیگر اکثریت کی بات مانی جاتی ہے اور اقلیت کی نہیں۔ مقالہ زیرِ نظر میں اس طرزِ فکر و عمل کا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ’اقلیت‘ اور ’اکثریت‘ کی وضاحت کر دینا مناسب رہے گا۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق

---

[*] ڈائریکٹر ایجوکیشن، جمعیت تعلیم القرآن پاکستان drmaqboolhassan@gmail.com

اقلیت، اور ‘اکثریت’ ایک دوسرے کے مقابلے میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ اقلیت کا لفظ، جب انسانوں کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے تو اس سے لغوی طور پر ایسا انسانی گروہ مراد ہوتا ہے جو نسلی، مذہبی یا لسانی لحاظ سے نہ صرف دوسرے (اکثریتی) گروہوں سے مختلف ہو بل کہ عددی اعتبار سے بھی اُن سے کم ہو۔[1]

اسی طرح المعجم الوسیط کے مطابق: اقلیت کا لفظ اکثریت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، جس کی جمع اقلیات ہے۔[2]

یعنی ‘اقلیت’ سے مراد ایسا انسانی گروہ ہے جو کسی بھی اعتبار سے تعداد میں کم ہو اور ‘اکثریت’ سے مراد ایسا انسانی گروہ ہے جو کسی بھی اعتبار سے تعداد میں زیادہ ہو۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اصطلاحی طور پر، ‘اکثریت’ اور ‘اقلیت’ کے مفہوم و فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘اقلیت’ سے مراد کسی بھی ملک میں ایسا انسانی گروہ ہے جو اپنے دین، مذہب، نسل، زبان یا کسی اور بُنیادی چیز میں اس مُلک کی ‘اکثریت’ سے مختلف ہو۔[3]

تعداد بمقابلہ دلیل و بُرہان

دورِ حاضر میں اس باطل زاویہ نگاہ کی ایک بڑی شکل اور حقانیت کو اکثریت میں تلاش کرنے کے رجحان کی پیداوار مغربی ”نظریہ جمہوریت“ ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے؛ اور یہ بھی دراصل حکومت کے قیام کا ایک طریقہ اور طرز ہے۔ لیکن کیا فی الحقیقت بھی کسی معاملے کی حقانیت کے ثبوت کے لیے ایسا ہی ہے؟ اگر ہم تمام حقیقتوں کے منبع و مرکز، خالقِ کائنات، اللہ تعالیٰ سے اس مسئلے کے حل کے لیے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں اس سلسلے میں یوں راہنمائی ملتی ہے:

وَإِن تُطِعۡ أَكۡثَرَ مَن فِي ٱلۡأَرۡضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَخۡرُصُونَ۔[4] (اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔)

یعنی اللہ رب العزت نے تو بتا دیا کہ راہِ حق پر چلنے والے، حقیقی علم والے، صاحبِ تقویٰ و استقامت تو بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ دنیا میں اکثریت تو راہِ راست سے ہٹے ہوئے لوگوں کی ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں کی اہم بات یہ ہوتی ہے کہ یہ من مانی راہ پر چلتے ہیں اور ان کے خیالات و نظریات کی بنیاد پختہ دلیل و برہان کے بجائے محض وہم و گمان ہوا کرتے ہیں۔ مگر اپنی تعداد کی کثرت کی بنا پر وہ دوسروں پر غالب رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بزعمِ خود راست رَو سمجھتے رہتے ہیں۔ لوگ بھی اسی اکثریت کے مغالطے کی بنا پر ان کا ساتھ دیتے رہتے ہیں اور اہلِ حق

صعوبتیں برداشت کرتے رہتے ہیں اور حق کی راہ پر ثابت قدم اور قائم رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ حق کو ہمیشہ ستایا گیا اور ان کی بات اور دعوتِ حق کو ہمیشہ ٹھکرایا جاتا رہا مگر انھوں نے راہِ حق پر استقامت کا مظاہرہ کیا اور اہلِ باطل اکثریت کی بات نہیں مانی۔

نامور مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی تفسیر "تدبر القرآن" میں محولہ بالا آیتِ کریمہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وہ اکثریت جو علم سے عاری ہو اور محض گمان کے پیچھے بھاگ رہی ہو اس کی بات جو لوگ مانیں گے وہ خدائی راہ سے بھٹک کے رہیں گے۔ اکثریت کا غوغا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔"[5]

مترجم و مفسرِ قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ 'اس آیت سے موجودہ مغربی جمہوری نظام بھی باطل قرار پاتا ہے جس میں اکثریت کی رائے کو حق کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ نیز ہر کس و ناکس کی رائے کو مساوی حیثیت دی گئی ہے۔ اس نظام میں ایک عالم (صاحبِ علم) اور جاہل (عامی) کی رائے کو یکساں درجہ دیا جاتا ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن کی صریح آیات کے خلاف ہیں۔'[6]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس معاملے کی وضاحت یوں فرمائی:

اهل الاسلام فی الناس غرباء، و المومنون فی اهل الاسلام غرباء، واهل العلم فی المومنین غرباء، واهل السنة الذین یمیزونها من الاهواء، و البدع هم غرباء و الداعون الیها الصابرونعلی اذی المخالفین هم اشدهٰولاءغربة ولٰکن هٰولاء هم اهل الله حقا. فلا غربة علیهم وانما غربتهم بین الاکثرین الذین قال الله عز وجل فیهم: وَان تطِع اکثَرَ مَن فِي الَارضِ یضِلوَ عَن سَبِیلِ الله ۔ان یَتّبِعون اِلّا الظّنّ وَاِن هم اِلّا یخرصون۔ (سورہ الانعام، آیت۔116) فأُلٰئِكَ هم الغرباء من الله ورسوله وغربتهم هی الغربة الموحشة۔[7]

اہل اسلام باقی اَدیان کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں اور مومنین اہل اسلام کے اندر اقلیت میں ہیں اہل علم مومنین میں سے اقلیت میں ہیں اور اہل سنت جو خواہشات اور بدعات کی تمیز رکھتے ہیں اقلیت میں ہیں اور دین کی دعوت دینے والے اور اس پر تکلیفیں اٹھانے والے اور صبر کرنے والے سب سے زیادہ تنہا اور اقلیت میں ہیں لیکن یہ حقیقی معنوں میں اللہ والے ہیں یہ اقلیت میں نہیں ہیں اقلیت میں وہ ہیں جو (بظاہر) اکثریت میں ہیں۔ انہیں کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: وَان تطعِ اکثَرَ مَن فِي الَارضِ یضِلّوَ عَن سَبِیلِ اللہ۔ ان یتّبِعونَ اِلّا الظّنّ اِن ھم اِلّا یخرصونَ۔۔ تو یہی لوگ اقلیت اور تنہائی میں ہیں اور یہی تنہائی وحشت ناک تنہائی ہے۔

حق اور باطل کی شناخت کبھی بھی ماننے والوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی اور یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ اکثریت میں ہونا حقانیت کی علامت ہو، حق کے معاملہ میں اکثریت، اقلیت کوئی معیار نہیں بلکہ شرعی

دلائل کی رو سے اقلیت کا حق پر ہونا زیادہ ظاہر ہے۔ قرآن مجید نے اکثر و بیشتر اکثریت کی مذمت ہی کی ہے اور کئی جگہوں پر اقلیت کی تعریف کی ہے اس سلسلے میں ہم چند مزید آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں؛

وِلَا تَجِدُ اَکثَرَھُمۡ شٰکِرِین۔ [8] (اور تم اکثریت کو شکر گزار نہ پاؤ گے۔)

اِن اَولِیَآؤُہٗ اِلَّا الۡمُتَّقُونَ وَلٰکِنَّ اَکثَرَھُمۡ لَا یَعلَمُونَ۔ [9] (اس کے ولی صرف متقی اور پرہیز گار افراد ہیں لیکن ان کی اکثریت اس سے بھی بے خبر ہے۔)

وَ قَلِیل مِّن عِبَادِیَ الشَّکُور۔ [10] (اور ہمارے بندوں میں شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔)

وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُھُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِیۡلٌ مَّا ھُمۡ۔ [11]

(اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔(یعنی مومنینِ صالحین کی تعداد کم ہی ہوتی ہیں)۔)

وِاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُون۔ [12] (بے شک کثیر لوگ فاسق ہوتے ہیں۔)

و اِتَّبِعُوا مَآ اُنزِلَ اِلَیکُم مِّن رَّبِّکُم وِلَا تَتَّبِعُوا مِندُونِہٖ اَولِیَآءِ قَلِیلاً مَّا تَذَکَّرُون۔ [13] (تم اس کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے۔اور اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے بہت کم لوگ ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔)

قَالَ اَرَءَیتَكَ ھٰذَا الَّذِی کَرَّمتَ عَلَیَّ، لَئِن اَخَّرتَنِ اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃِ لَاَ حتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہ اِلَّا قَلِیلًا۔ [14] ((شیطان نے کہا) اچھا دیکھ لے اسے (آدم کو) تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے، لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز تھوڑے لوگوں کے، اپنے بَس میں کرلوں گا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا النَّاسُ کَاءِبِلٍ مِائَۃٍ لَا یَجِدُ الرَّجُلُ فِیھَا رَاحِلَۃً۔ [15] (عوام الناس ایسے ہیں جیسے سو اونٹ ہوں اور آدمی سواری کے قابل کوئی نہ پائے (یعنی اکثریت ناکارہ ہوتی ہے)۔)

اصحابِ جمل کے حوالے سے حارث ابن حوط کے سوال کے جواب میں حضرت علیؓ نے جو ارشاد فرمایا اس کے مطابق: ۔۔۔ حق اور باطل کی پہچان افراد کی تعداد سے نہیں ہوتی بلکہ حق کی پہچان، خود بخود اہلِ حق کی پہچان کرواتی ہے اور باطل کی پہچان، خود بخود اہل باطل کی بھی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ [16]

ایسا بھی نہیں کہ ہر صورتِ حال میں ہر ایک اکثریت بمقابلہ اقلیت غلط ہی ہو البتہ زمانے میں جو رَوِش عام ہے وہ یہی

ہے کہ جس کے ووٹ زیادہ ہیں اسے ہی قبولیتِ عام حاصل ہوتی ہے اور جس کے حمایتی کم ہیں اس کی بات کو دَر خورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ یعنی تعداد یا مقدار کو دلیل و اہلیت کے مقابلہ میں ترجیح دی جاتی ہے اگرچہ کوئی کتنا ہی صحیح اور حق وراستی پر ہو۔ عہدِ حاضر میں مغربی" نظریہ جمہوریت" ذہنوں میں اتنا رَچ بَس گیا ہے کہ لوگ ہر معاملے کو اسی عینک سے دیکھتے ہیں۔ حال آنکہ یہ دورِ حاضر کا بہت بڑا فریب ہے۔ جس کے مطابق دلیل و برہان کے مقابلے میں گنتی اور تعداد کی اہمیت زیادہ ہے۔

یہ ایسا رویہ ہے جس کی ربِ کائنات نے بھی مذمت بیان کی ہے اور راہ نمائی دی ہے کہ یہ معیار وَزنی نہیں ہے کہ کون تعداد میں زیادہ ہے اور کون کم؟ بل کہ اصل معیار، حق وراستی اور دلیل و برہان ہے جو بھی اس پر پورا اُترے وہی اس کا حق دار ہے کہ اسے اہمیت دی جائے اور جو اس پر پورا نہیں اترتا وہ درخورِ اعتنا نہیں ہونا چاہیے چاہے وہ کتنا ہی کثرتِ تعداد میں کیوں نہ ہو۔ لہذا کبھی بھی متلاشیِ حق انسان کو حق کے پیروکاروں کو اقلیت میں دیکھ کر غم و حزن کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے اور اسی طرح اگر اہلِ حق خود اکثریت میں ہو جائیں تو انھیں فخر و غرور بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ زبانِ خَلق کو نقارۂ خدا سمجھنے کی جو بات کسی نے مشہور کر رکھی ہے وہ بے اصل اور غیر منتقی و غیر معقول ہے۔ محض اکثریت اور اقلیت کے زاویے سے معاملات کو نہیں دیکھا جانا چاہیے بلکہ معیار کو ترجیح ملنی چاہیے۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

هَل يَستَوِی الَّذِين يَعلَمونَ وَالَّذين لَا يعَمون۔ [17] (کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا۔

هَل يَستَوِی الاَعمَیٰ وَالبَصِير۔ [18] (کیا نابینا اور بینا برابر ہیں۔)

اسلامی اصولِ مشاورت / شورٰی

یہاں پر ایک نکتہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ محض 'اکثریتی رائے' کوئی مذموم چیز نہیں ہے۔ اسلامی اعتبار سے صاحب الرائے اور اہلِ حل و عقد افراد اگر کسی معاملے کا فیصلہ کثرتِ رائے سے کرتے ہیں تو وہ یقیناً قابلِ احترام اور لائقِ اتباع ہے۔ یہی رسول اللہ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کا طریقہ بھی رہا ہے۔ تاہم عوام الناس کی اکثریت جس میں ہر طرح کے لوگ شامل ہوں بہ شمول ایسے لوگوں کے کہ جنھیں نہ تو نوعیت مسئلہ پتہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی رائے دینے کے قابل ہوں، محض انھیں گنتی میں شمار کر لیا جائے تو ایسے طرزِ عمل کو اسلام غلط قرار دیتا ہے۔ الغرض اسلام کسی بھی معاملے کی حقانیت کے جانچنے کے لیے معیار اور دلیل و برہان کو ترجیح دیتا ہے نہ کہ محض شمار اور تعداد کو، اور اسلام کا اولین ماخذ کتابِ الٰہی؛ قرآنِ مجید در اصل یہی تصور اجاگر کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے 'شورٰی' کا

تصور دیا ہے جس پر پیغمبرِ اسلام اور آپ ﷺ کے اصحاب عمل پیرا رہے۔

قرآنِ مجید میں 'شورٰی' کا حکم یوں بیان ہوا ہے:

وَأَمرُهُم شُورٰی بَینَهُم۔ [19] (اور ان کا معاملہ آپس میں شورٰی / مشاورت سے انجام پاتا ہے۔)

مشاورت مؤثر اور کامیاب انسانی زندگی کی تنظیم و انصرام کے لیے ناگزیر ہے۔ خالقِ کائنات نے جہاں پیغمبروں کے ذریعے انسان کو زندگی گزارنے کے لیے دین عطا فرمایا تو اس دین کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ معاملات کے باہم مشاورت اور اجتماعی کاوشوں سے انجام دینے کا حکم بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمدِ مصطفیٰ ﷺ کو اجتماعی معاملات میں یوں حکمِ شوریٰ دیا۔

وشَاوِرهُم فِی الأَمرِ فَإِذَا عَزَمتَ فَتَوَکّل عَلَی اللهِ إِنَّ اللهَ یُحِبُّ المُتَوَکِّلِین۔ [20] (اور ان سے ہر اہم معاملے میں مشورہ کرتے رہو پس جب تم عزم و ارادہ (فیصلہ) کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)

چنانچہ عملی زندگی میں خود رسول اللہ ﷺ نے اس حکمِ الٰہی پر پوری روح کے مطابق عمل فرمایا اور اسلام کی روحِ اجتماعیت و شورٰی و مشاورت کا نہ صرف عملی مظاہرہ کیا بل کہ دراصل آپ ﷺ نے اپنے عمل سے اُمتِ محمدیہ کے لیے نمونہ عمل بھی پیش کر دیا اور راہ نمائی فراہم کر دی۔ نبوی دور، شورٰی و مشاورت کی امثال سے خوب مزیّن ہے۔ پہلی ہجری میں شورٰی اذان کا تاریخی واقعہ ہے کہ نمازِ باجماعت کے لیے مسلمانوں کو بلانے کے معاملے پر رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کی شوریٰ منعقد کی۔ کسی نے یہود کے بُوق کی تجویز دی اور کسی نے نصارٰی کے ناقوس کی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز دی کے ایک شخص کو مقرر کر دیا جائے تا کہ نماز کے اوقات میں باآواز، بلند لوگوں کو بلایا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی تجویز کو قبول فرماتے ہوئے حضرت بلالؓ کو مقرر فرما دیا۔ آپ نماز کے اوقات میں ۔۔ الصلاۃ الجامعہ ۔۔ کہہ کر مسلمانوں کو نماز کے لیے بلایا کرتے تھے، بعد میں حضرت عبد اللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان کے مروّجہ الفاظ کسی سے سنے اور رسول اللہ نے انھی الفاظ کے ساتھ اذان دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد وحی کی تائید بھی حاصل ہو گئی۔ [21]

رسولِ اکرم ﷺ کے دور میں شورائے بدر ۲ھ، شورائے اسارائے بدر ۲ھ، شورائے احد ۳ھ، شورائے خندق ۵ھ، شورائے دربارہِ اِفک ۶ھ، شورائے حدیبیہ ۶ھ، شورائے اسارائے ہوازن ۸ھ اور شورائے دربارہِ معاذ بن جبلؓ ۱۰ھ تاریخی واقعات ہیں کہ جن میں رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے مشاورت و شورٰی سے کام لیا۔ آپ ﷺ کے شورٰی و مشاورت کے حوالے سے متعدد فرامین کتبِ احادیث میں مروی ہیں۔ مثلاً؛

حضرت علیؓ مروی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ اگر ہمارے درمیان کوئی واقعہ ایسا پیش ہو جائے جس کے بارے میں (قرآن و سنّت میں) نہ کوئی امر ہو نہ نہی تو ایسے واقعے کے متعلق آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں عبادت گزار اور دیانت دار ماہرینِ شریعت سے مشورہ کرلیا کرو اور انفرادی رائے اختیار نہ کرو۔[22] اسی طرح سھل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مشورہ کرنے والا شخص کبھی حق (بات) سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا خود پسند شخص کبھی سعید نہیں ہو سکتا۔"[23]

حاصلِ کلام

دُنیا میں افراد کی آراء کو اہمیت دینے کے بجائے گِنتی اور محض عددی شماریات کی بنا پر حق اور ناحق کے فیصلوں کا مدار ایک انتہائی گمراہ کُن اور حماقت پر مبنی طریقہ ہے۔ حق اور باطل اور صحیح اور غلط کی شناخت کبھی بھی ماننے والوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی بل کہ اصل معیار؛ حقیقت شناسی اور دلیل و برہان ہوا کرتا ہے۔ دورِ حاضر میں اس باطل زاویہ نگاہ کی ایک بڑی شکل مغربی نظریہ جمہوریت ہے، کہ جس نے انسانوں کے قلوب و اَذہان کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ تاہم ہمارے سامنے خالقِ کائنات کی دی ہوئی اَبدی و لازَوال راہ نمائی، اُس کی کتاب؛ قرآنِ مجید کی صورت میں موجود ہے، اگر اس سے رشتہ جوڑا جائے تو ہمیں یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ اس مغربی باطل نظریہ و خیال کے برعکس باہمی مشاورت، معاملہ فہمی اور صلاحیتِ حَل و عَقد کی بنا پر معاملات کا جائزہ لینے اور فیصلے کرنے میں ہماری دنیاوی اور اُخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ زندگی کے ہر معاملے میں اس اُصول کا خیال رکھا جائے گا تو ہمارا قبلہ درست رہ سکتا ہے بصورت، دیگر بھٹکنا ہمارا مقدر رہے گا۔

حوالہ جات:

---

[1] The Oxford English Dictionary second edition Vol. IX, word 'minority', Clarendon Press Oxford, 1989

[2] المعجم الوسیط، احیاء التراث العربی، بیروت: المتبۃ العلمیۃ، (س۔ن)، ج ۲

[3] یوسف القرضاوی، فی فقہ الاقلیات المسلمۃ، قاہرہ: دار الشروق، ۲۰۰۱، ص ۵۱

[4] القرآن۔ سورہ الانعام آیت ۱۱۶

[5] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، لاہور: فاران فاونڈیشن ۱۹۹۱، تفسیر سورۃ الانعام، ج ۲، ص ۱۴۷

[6] عبد الرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن، لاہور: مکتبہ السلام، ۱۴۲۸ھ، تفسیر سورۃ الانعام، ج۱، ص۶۲۵

[7] محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الجوزیہ ابن القیم، مدارج السالکین، بیروت: دار الجیل، ۱۹۸۳ء، ج۳، ص۱۹۵-۱۹۶

[8] القرآن۔ سورۃ اعراف آیت۱۷

[9] ایضاً۔ سورۃ انفال آیت ۳۴

[10] ایضاً۔ سورۃ السبا آیت۱۳

[11] ایضاً۔ سورۃ ص آیت ۲۴

[12] ایضاً۔ سورۃ مائدۃ آیت ۴۹

[13] ایضاً۔ سورۃ اعراف آیت۳

[14] ایضاً۔ سورۃ اسراء آیت ۶۲

[15] محمد بن عیسٰی الترمزی، سنن الترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثلِ ابنِ آدم، شرکتہ مکتبہ و مطبعہ مصطفٰ البابی الحلبی، ۱۹۷۵، حدیث ۲۸۷۲

[16] نہج البلاغہ، مترجمہ: مفتی جعفر حسین، اقوالِ حضرت علیؓ، لاہور: المعراج کمپنی، ۲۰۰۳ء، قول ۲۶۲، ص ۵۴۲

[17] القرآن۔ سورۃ الزمر آیت ۹

[18] ایضاً۔ سورۃ الرعد آیت ۱۶

[19] ایضاً۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸

[20] ایضاً۔ آلِ عمران، آیت۱۵۹

[21] گوہر رحمٰن، اسلامی سیاست، لاہور: المنار بُک سینٹر، ۱۹۸۲ء، ص۲۷۸

[22] علامہ علاء الدین علی متقی، کنز العمال، ۱۳۱۲ھ، مطبوعہ، دائرۃ لمعارف النظامیہ، حیدر آباد، ج۵، ص ۸۱۲

[23] ابو بکر احمد بن علی بن الرازی الجصاص، احکام القرآن، تفسیر سورہ آلِ عمران، طبع مصر، ۱۹۶۷، ج۴، ص۲۵۱